داعیانِ حق اور راہِ عزیمت

حافظ محمد ادریس

دعوتِ اسلامی کارِ انبیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے انسان کے اندر ضمیر کی شمع روشن کی' قرآن مجید کے الفاظ میں یہ نفسِ لوّامہ ہے۔ یہ شمع بلا شبہ بڑی قیمتی اور مؤثر ہے مگر یہ بذاتِ خود کافی اور کامل نہیں ہے۔ ربِ کائنات نے اس شمع کے ساتھ ساتھ آفتابِ ہدایت بصورتِ وحی انسانوں کو عطا کر کے ضلالت کے اندھیروں کو مستقل طور پر دور کردیا۔ انبیا نے اپنے فرائض بطریقِ احسن ادا کیے اور حق و باطل کو کھول کر بیان کردیا۔ چونکہ انسان کو نفسِ لوّامہ کے ساتھ ساتھ نفسِ امّارہ کی آزمایش سے بھی دوچار کیا گیا ہے' اس لیے انسانوں کی قلیل تعداد ہی نے حق کا ساتھ دیا اور اکثریت نے روگردانی' بے اعتنائی' بغاوت اور عداوت کا راستہ اپنایا۔

سلسلۂ انبیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو چکا ہے۔ آپؐ کے بعد دعوتِ حق کا اہم فریضہ آپؐ کی امت کے سپرد کیا گیا ہے۔ امت بحیثیتِ مجموعی عمومی طور پر اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں تساہل برت رہی ہے' بلکہ بعض اوقات اس کے ساتھ رویہ معاندانہ بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ہر دور اور ہر ملک اور علاقے میں کچھ لوگ ہمیشہ ایسے موجود رہے ہیں جنھوں نے نامساعد حالات میں یہ فریضہ سرانجام دیا۔

آئمہ اربعہ

تجدید و احیاے دین کی تحریکوں میں یوں تو بے شمار عظیم المرتبت شخصیتوں کے نام نظر آتے ہیں مگر آئمہ اربعہ کا خاص اور ممتاز مقام ہے۔ عموماً لوگ ان اماموں کو صرف فقہ کے بانی کی

حیثیت سے سمجھتے ہیں اور یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ فقہ کو مدون کرنے کے لیے ان کے کارنامے قیامت تک یادگار رہیں گے مگر وہ محض فقہی علما اور مفتی نہ تھے۔ بلکہ حقیقت میں اپنے دور کے استبداد اور شخصی حکومتوں کے مقابلے پر دعوتِ حق کے علمبردار تھے۔ دعوتِ حق کا کام مشکل اور کٹھن کام ہے۔ اس کام کے نتیجے میں چاروں آئمہ ابتلا و امتحان سے گزرے۔ حضرت امام شافعیؒ نسبتاً براہِ راست تصادم سے محفوظ رہے۔ مگر دیگر تینوں آئمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو تو حالات نے نظامِ حکومت کے ساتھ براہِ راست ٹکر لینے پر مجبور کردیا۔

حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کے فقہی پیروکاروں کی تعداد امتِ مسلمہ کے درمیان سب سے زیادہ ہے۔ بے شمار لوگ ان سے قلبی لگاؤ اور گہری عقیدت رکھتے ہیں، مگر اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ حضرت امامؒ کا جنازہ جیل سے اٹھا تھا۔ ہم ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ ان کے کچھ حالات درج کررہے ہیں۔

حضرت امامِ اعظمؒ کا اسمِ گرامی نعمان بن ثابت اور کنیّت ابوحنیفہ ہے۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بحالتِ اسیری بغداد میں وفات پائی۔ آپ کوفے میں کپڑے کے سب سے بڑے اور کامیاب تاجر اور صنعت کار تھے۔ آپ نے زندگی کی تمام آسائشوں کو حق کی خاطر ترک کیا اور اپنے موقف پر ایسی استقامت دکھائی کہ مال و دولت کے ضیاع اور قید و بند کی صعوبتوں سے بھی ثابت قدمی میں لغزش نہ آئی۔

حضرت امامِ اعظمؒ کی علمی خدمات کا پوری دنیا میں شہرہ ہے مگر داعیِ حق کی حیثیت سے انھوں نے جو نقوشِ پا چھوڑے ہیں، حقیقت میں وہ روشنی کا مینار ہیں۔ مستبد حکمرانوں کے مقابلے پر امام ابوحنیفہؒ نے اپنے وقت کی اصلاحی تحریک کا ساتھ دیا۔ یوں تو محمد بن عبداللہ (نفس ذکیہ) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کا ساتھ تو کئی لوگوں نے دیا مگر اس پر استقامت کا حق امامِ اعظمؒ ہی نے ادا کیا۔ ایک جانب ان کے سامنے قاضی کا منصب پیش کیا گیا جسے انھوں نے ٹھکرا دیا تو دوسری جانب زنداں کے دروازے کھول دیے گئے۔ امامِ اعظمؒ نے پسِ دیوارِ زنداں جانا پسند کیا مگر مداہنت برتنے سے صاف انکار کردیا۔

امام مالک بن انسؒ (۹۳ھ تا ۱۷۹ھ) "امام دارالہجرت" کے عظیم لقب سے معروف ہیں۔

بنو عباس کے دور میں ان سے حکمرانوں نے اپنی مرضی کا فتویٰ لینا چاہا تو امام نے صاف انکار کردیا۔ اس کی پاداش میں انھیں ستر کوڑے بھی لگائے گئے اور گدھے پر سوار کرکے مدینے کی گلیوں میں گھمایا بھی گیا۔ آپ نے کوئی کمزوری دکھانے کی بجائے کھلم کھلا اپنے برحق موقف کا اعلان کیا اور مستبد حکمرانوں کے غلط افکار کا برملا ابطال بھی کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ تا ۲۴۱ھ) بڑے عظیم المرتبت داعیِ حق تھے۔ عباسی خلیفہ مامون الرشید کے اٹھائے ہوئے فتنۂ خلقِ قرآن کے سلسلے میں امام احمد بن حنبلؒ سخت آزمائش سے دوچار ہوئے۔ معتصم کے دور میں ان پر کوڑے برسائے جاتے تھے۔ متوکل کا دور آیا تو اس نے اشرفیوں کے توڑے بھیجے۔ امام نے طویل عرصے تک قید و بند اور کوڑے برداشت کیے مگر اشرفیوں کے توڑے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انھوں نے کہا "متوکل کے توڑے معتصم کے کوڑوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔" امام نے نہ صرف یہ کہ وہ توڑے واپس بھیج دیے بلکہ حکومتِ وقت کی پیش کردہ تمام مراعات کو مسترد کردیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام احمد بن حنبلؒ کے امتحان کی خبر دی تھی اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمائی تھی کہ وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں۔ آنحضورؐ نے یہ بشارت بھی دی کہ اس ثابت قدمی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ قیامت تک ان کے نام کو بھی روشن رکھے گا اور ان کے علم کا نور بھی پھیلاتا رہے گا۔

دیگر آئمہ ہدایت

اس امت کے عظیم داعیانِ حق حضرت امام ابن تیمیہؒ، حضرت امام غزالیؒ اور حضرت شیخ احمد سرہندیؒ وقت کی طاقتوں کو للکارتے رہے۔ ان کے دامِ تزویر میں آنے کی بجائے طوق و سلاسل کو منتخب کیا۔ ابتلا و آزمائش کی بھٹیاں انھیں جادۂ حق سے برگشتہ تو نہ کرسکیں، البتہ وہ ان سے کندن بن کر نکلے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اگرچہ سخت ابتلا اور زبردست تصادم کا دور تو نہ دیکھا مگر وہ بھی شاہی درباروں کی مراعات سے ہمیشہ دور رہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنے عملی جہاد کا آغاز کرنے سے قبل اپنے آپ کو اور جملہ ساتھیوں کو جفاکشی کا عادی بنایا۔ زندگی کی سختیاں تربیتی نظام میں شامل کرکے آنے والے کٹھن مراحل کے لیے تمام وابستگانِ تحریک کو حق کے سپاہی بنا دیا۔ آسائش و

راحت ممنوع ہرگز نہیں، مگر جہاں آسائشیں راہِ جہاد کی رکاوٹیں بننے لگیں وہاں ان کا استعمال مناسب نہیں ہوتا۔ سیّد بادشاہ اور ان کا پورا قافلہ سلف صالحین کی زندہ مثال تھا۔ دنیا کو ان لوگوں نے آخرت کے بدلے میں فروخت کردیا تھا۔ وہ اپنے اس سودے پر راضی اور خوش تھے۔ ابھرتی ہوئی باطل قوتوں کے خلاف ان عظیم مجددین ملت نے ایک ایسے وقت میں جہاد کیا جب ہماری ملت بہ حیثیت مجموعی پوری دنیا میں ادبار و انحطاط کا شکار ہو چکی تھی۔ اس تحریک کے تمام وابستگان نے یادگار کارنامے سرانجام دیے۔ باطل سے مردانہ وار ٹکرائے اور کہیں مداہنت یا کمزوری نہیں دکھائی۔

علامہ اقبال دردِ دل رکھنے والے ایک عظیم شاعر اور مصلح تھے۔ انھیں مجدد کہنا تو مشکل ہے، مگر داعیانِ حق کے لیے جو بنیادی اوصاف ضروری ہیں، ان کی ترجمانی ان کے کلام میں نہایت موثر اور بلیغ انداز میں کی گئی ہے۔ علامہ اقبال کا "شاہین" درحقیقت داعیِ حق ہی ہے۔ میں نے ہمیشہ داعیِ حق کو اقبال کے شاہین کی زندہ مثال سمجھا ہے اور ہر داعیِ حق کے بارے میں یہی تصور قائم کیا ہے کہ وہ غیور و جسور، خوددار و خود بین، خدا خوف و خود آگاہ اور سیر چشم و درویش منش مخلوق ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اقبال کا شاہین ہے۔

ایمان اور آزمایش

داعیِ حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزمایشوں کی کبھی تمنا نہ کرے۔ آزمایشوں سے حضور پاکؐ نے بھی پناہ مانگی تھی، ہر داعی کو بھی ان سے پناہ ہی مانگنی چاہیے۔ البتہ یہ چیز ہمیشہ ذہن میں مستحضر رہنی ضروری ہے کہ دعوتِ حق اور آزمایش کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات :

> ا ـ ل ـ م ـ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمایش کرچکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔ (عنکبوت ۲۹ : ۱)
>
> اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انھیں مردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو

حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ اور ہم ضرور تمھیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کرکے تمھاری آزمایش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے" انھیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔
(البقرہ ۲ : ۱۵۳ - ۱۵۷)

ہم ضرور تم لوگوں کو آزمایش میں ڈالیں گے تاکہ تمھارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔ (محمد ۴۷ : ۳۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزمایشوں کے مقابلے پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صبر اور استقامت کی توفیق طلب کی اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ استقامت مومن کا بہت بڑا ہتھیار ہے، مگر اس کے حصول کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ استقامت کو متزلزل کرنے کے لیے داعیانِ حق کو ترغیب و ترہیب دونوں حربوں سے شکار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جس داعیِ حق کو اپنی خواہشات کی غلامی اور مرغوباتِ نفس سے نجات نہ مل سکے وہ کبھی استقامت کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ شدائد اور مصائب کے مقابلہ پر جو داعی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے، بسا اوقات وہی داعی ترغیب و تحریص کے دام میں بآسانی گرفتار ہو جاتا ہے۔ داعیِ حق کو کسی چیز کا غلام اور عادی نہیں ہونا چاہیے۔ مبادا یہی چیز اور عادت اس کے پاؤں کی زنجیر بن جائے۔ بقول اقبال ۔

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

امام حسن البنا شہید کے بارے میں کافی عرصہ قبل میں نے ایک واقعہ پڑھا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ جب کبھی کسی کے ہاں جائیں تو چائے، کافی، مشروب جو کچھ بھی پیش کیا جائے اسے قبول کریں۔ مگر چائے اور کافی کو اپنی عادت نہ بنائیں۔ یہ عادت

غلامی کے مترادف ہوتی ہے اور کسی وقت بھی مشکلات کا باعث بن سکتی ہے۔

امام شہید کی یہ نصیحت میں نے پڑھی تو مجھے کچھ عجیب سی لگی۔ میں نے سوچا کہ چائے اور کافی کی عادت کون سا نشہ ہے مگر مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ میرا خیال غلط تھا۔ میں نے بارہ سال کا عرصہ کینیا میں گزارا ہے۔ کینیا میں دنیا کی بہترین چائے اور کافی پیدا ہوتی ہے۔ چائے تو ہماری نسل سے پاکستان میں مروج ہو چکی تھی' مگر کافی کے باقاعدہ استعمال کا موقع کینیا میں میسر آیا۔ ہمارے دفتر میں چار بجے بعد دوپہر کافی پی جاتی تھی۔ مجھے کافی بہت اچھی لگی۔ سات آٹھ ماہ کافی پیتے گزر گئے تو ایک روز سفر کے دوران میں مجھے اچانک بے چینی اور بے کلی سی محسوس ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک طبیعت کیوں خراب ہو رہی ہے۔ کافی سوچ بچار کے بعد معاً" خیال آیا کہ کافی کا وقت ہو گیا ہے۔ اسی لمحے میرے ذہن میں امام حسن البنا کی نصیحت تازہ ہو گئی اور اس کی حکمت کھل کر سامنے آگئی۔ اگلے روز معاونِ دفتر نے وقتِ مقررہ پر کافی کا کپ میری میز پر لا کر رکھا تو میں نے اس سے کہا کہ بھائی آج سے کافی بند۔ اس کے بعد آج تک کبھی کبھار کافی پی تو لیتا ہوں مگر اس کی مستقل عادت اور شوق ترک کر دیا ہے۔

معیارِ زندگی کا بت

نشہ حرام ہے اور شریعت نے اسے حرام قرار دینے میں بہت سی حکمتیں اور انسانی مصالح ملحوظ رکھے ہیں۔ انسان کو بنیادی ضروریات کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے مگر تعیشات سے پرہیز' عام انسانوں کے لیے مفید اور داعیانِ حق کے لیے از حد ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے بارے میں فقروفاقہ سے زیادہ خوشحالی و فارغ البالی کو خوفناک قرار دیا ہے۔ جب انسان اپنے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی فکر میں لگ جائے تو آہستہ آہستہ اس کے دل میں ہوس اپنا گھر بنا لیتی ہے۔ آخر کار معیارِ زندگی کا بت دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اس بت کی پرستش میں بظاہر بڑے بڑے موحدین مشغول نظر آتے ہیں اور بدقسمتی سے پوری زندگیاں اسی کی نذر کر دیتے ہیں۔

معیارِ زندگی کا یہ بت کتنا خطرناک ہے اس کے بارے میں الشیخ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود مرحوم نے نہایت مؤثر انداز میں وضاحت کی ہے۔ شیخ موصوف اخوان المسلمون کے ابتدائی ارکان میں سے تھے۔ انھوں نے ایک طویل عرصہ اخوان کی تحریک میں جدوجہد' ایثار اور قربانی میں گزارا۔ اخوان المسلمون کے متعلق لکھی جانے والی تمام کتابوں کے درمیان ان کی کتاب "الاخوان المسلمون"

نہایت معتبر اور مستند ہے جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ شیخ موصوف اخوان سے الگ ہو کر دین کی خدمت کرنے کے لیے جامعہ الازہر تشریف لے گئے۔ حکومت نے انھیں شیخ ازہر (وائس چانسلر) مقرر کر دیا۔

مصر میں یکے بعد دیگرے مستبد حکمران برسرِاقتدار آتے رہے۔ جامعہ الازہر ان حکمرانوں کی آلۂ کار بنی رہی۔ شیخ ازہر جو مصر ہی نہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کے نزدیک اسلام کا علمبردار اور ترجمان سمجھا جاتا ہے، حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہوتا ہے۔

جامعہ الازہر کی تاریخ بہت طویل اور تابناک ہے۔ ماضی بعید میں بڑے جرات مند اور صاحبِ عزیمت علما نے جامعہ ازہر کی سربراہی کے فرائض سرانجام دیے۔ ان میں سے خاص طور پر شیخ عزالدین عبدالسلام کا اسمِ گرامی معروف ہے۔ وہ شاہانِ وقت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بادشاہ کبھی جامعہ میں آتا تو شیخ اس کے استقبال کے لیے دروازے پر انتظار کرنے کی بجائے اپنے کمرۂ تدریس میں دیوار سے ٹیک لگائے چٹائی پر پاؤں دراز کیے طلبہ کو پڑھانے میں مشغول رہتے۔ ان کا یہ قول بڑا مشہور ہے کہ "جو بادشاہ کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا وہ اس کے سامنے پاؤں پھیلا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود سے کسی نے پوچھا کہ ازہر کے تابناک ماضی کی جھلک اس کے حال میں کیوں نظر نہیں آتی تو انھوں نے بڑے خوبصورت انداز میں اس کا جواب یوں دیا "شیخ عزالدین کچے کوٹھے میں رہتے تھے۔ گھر سے اپنے گدھے پر سوار ہو کر جامعہ میں تشریف لاتے تھے اور فارغ ہونے کے بعد اسی پر سوار ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔ ان سے کوئی کیا چھین سکتا تھا؟ اب صورتحال یہ ہے کہ شیخ ازہر کا مرتبہ مرکزی وزیر کے برابر ہے۔ مرسڈیز گاڑیاں، خدم و حشم، پرتعیش محلات اور بے پناہ مراعات اسے حاصل ہیں۔ یہ سب کچھ حکومت نے بلاوجہ نہیں دیا۔ یہ بلند معیارِ زندگی شیخِ ازہر کو مصلحت کیش اور بزدل بنا دیتا ہے۔" بقول حکیم الامت ؎

ہر شے ہوئی ذخیرۂ لشکر میں منتقل
شاہیں گدائے دانۂ عصفور ہو گیا

اللہ تعالیٰ مرحوم شیخ ازہر کو جزائے خیر دے کہ وہ دوسروں کے لیے ایک اچھی اور مفید بات ارشاد فرما گئے ہیں۔

داعیانِ حق انسانوں کے درمیان رہتے اور انھی پر کام کرتے ہیں۔ حالات کے مدوجزر سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے اور دھوپ چھاؤں میں سفر کرنا پڑتا ہے۔ اصحابِ اقتدار داعیانِ حق کو ہمیشہ بجا طور پر اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ حکمرانوں سے قرب دعوت پہنچانے کا ذریعہ بھی بنتا ہے' مگر بسا اوقات اس کے نتیجے میں خود داعی غیر محسوس طور پر اپنے اوصاف کھونے لگتا ہے۔ عزیمت کی جگہ رخصت اور کشاکش کی بجائے مصالحت کا راستہ اقرب الی الصواب نظر آنے لگتا ہے۔ وقتی طور پر اچھے تعلقات کے نتیجے میں کچھ مفید اور اصلاحی کام بھی کروائے جاسکتے ہیں۔ مگر دعوتِ حق کی حقیقی منزل' مکمل اسلامی انقلاب تک پہنچنا بھرپور اور زور دار جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ داعیانِ حق جب مسلسل چھاؤں میں زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جائیں تو پھر ان کے لیے دھوپ میں نکلنا ممکن نہیں رہتا۔ چھوٹے چھوٹے مفادات بڑے بڑے مقاصد پر غالب آجاتے ہیں اور داعی مسلسل بلندی سے پستی کی طرف لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ اس سے بڑا المیہ یہ ہوتا ہے کہ داعی صورتحال کا صحیح ادراک کرنے کی بجائے اپنے موقف اور روش کو درست ثابت کرنے کے لیے دلائل ڈھونڈنے لگتا ہے۔ نوبت یہاں تک آپہنچتی ہے کہ فریب خوردگی کے غبار میں جوہرِ قابل گم ہو جاتا ہے۔ شاعرِ مشرق کے الفاظ میں۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی